سیرتِ رسول ﷺ کا سیاسی پہلو

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد طاسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

سیرت رسولؐ کا سیاسی پہلو

مولانا محمد طاسین

www.KitaboSunnat.com

دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

سلسلہ مطبوعات	:	۲۰۳
نام کتاب	:	سیرت رسولؐ کا سیاسی پہلو
مصنف	:	مولانا محمد طاسین
سرورق	:	سید مبین الرحمٰن
نگران طباعت	:	حیران خٹک
طابع	:	ادارہ تحقیقات اسلامی پریس، اسلام آباد
اشاعت اول	:	۱۹۹۰ء
اشاعت دوم	:	۱۹۹۴ء
اشاعت سوم	:	۱۹۹۸
تعداد	:	۳۰۰۰
قیمت	:	-/20روپے

ناشر

دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

اسلام اور امتِ مسلمہ کی اساس و بنیاد کسی رنگ، نسل، علاقہ یا زبان پر نہیں بلکہ ایک نظریے اور پیغام پر ہے۔ جس امت کی بنیاد ہی کسی نظریہ پر ہوتی ہے اسے اپنی بقاء کے لئے نظریہ کا تحفظ اسی طرح کرنا پڑتا ہے جس طرح ایک جاندار اپنی جان کی اور ایک ذی روح مخلوق اپنی روح کی حفاظت کرتی ہے کیونکہ جب تک نظریہ قائم اور زندہ رہے قوم باقی رہتی ہے اور جیسے ہی نظریہ کمزور پڑے قوم کی وحدت اور یک جہتی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

امتِ مسلمہ کی بقاء اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے اسلام نے دعوت و تبلیغ کو ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا ہے اور ہر صاحب ایمان کی یہ ذمہ داری بتائی ہے کہ وہ اپنی سطح پر، اپنے علم و فہم کے مطابق، اپنے حلقہ اثر کے اندر، اپنے مقدور بھر اسلام کا پیغام عام کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اگر ایک دائرہ میں یہ کوشش فرض عین کا درجہ رکھتی ہے تو دوسرے دائرہ میں فرض کفایہ ہو جاتی ہے مثلاً ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ اور اہل و عیال کو دین کی ضروری تعلیم دلانے کا انتظام کرے اور کوشش کرے کہ وہ فرائض پر کاربند اور نواہی سے مجتنب رہیں۔ اس دائرہ سے باہر بالتدریج اس کی ذمہ داری میں دوسرے اہل ایمان شریک ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ پوری انسانیت کی سطح پر یہ تمام اہل ایمان کی اجتماعی ذمہ داری بن جاتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید نے دعوت و تبلیغ کے مختلف پہلوؤں کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے تاکہ یہ سب پہلو اہلِ ایمان کے ذہنوں میں تازہ رہیں ان اصطلاحی الفاظ میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآن پاک نے اس فریضہ کو افراد کی ذمہ داری بھی قرار دیا ہے (توبہ: ۱۱۲ لقمان: ۱۷) مختلف گروہوں اور جماعتوں کی بھی (آل عمران: ۱۰۴) پوری اُمتِ مسلمہ کی بھی (آل عمران: ۱۱۰) اور اسلامی ریاست کی بھی (الحج: ۴۱) ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری کی مختلف سطحیں اور مدارج ہیں ورنہ جس سطح اور درجہ پر ریاست اس فریضہ کو انجام دے گی اور جس سطح پر اس کی ادائیگی کا مطالبہ اسلامی حکومت سے کیا جائے گا اس سطح پر اس فریضہ کی انجام دہی کی توقع کسی فرد سے نہیں کی جا سکتی۔

قرآن پاک نے جہاں اس کام کی فرضیت بیان فرمائی ہے وہیں اس کی ادائیگی کا اسلوب اور طریقہ کار بھی بتا دیا ہے۔ قرآن مجید میں دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ایسے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں جن کو پیشِ نظر رکھ کر ہر قوم، ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں دعوت و تبلیغ کا ایک جامع اور مؤثر پروگرام وضع کیا جا سکتا ہے، یوں تو قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ان اصول کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن خاص طور پر سورہ نحل کی آخری آیات، سورہ نمل کی آخری آیات، سورہ حم السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ اس سلسلہ میں قابلِ غور ہیں۔

دعوت کے بنیادی اصول "کلموا الناس علی قدر عقولھم" (یعنی لوگوں سے ان کے عقلی اور فکری معیار کے لحاظ سے گفتگو کرو) کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے اکیڈمی نے ڈاکٹروں، طبیبوں، قانون دانوں، اساتذہ کرام، داعیانِ دین، اربابِ صحافت، ادیبوں، دانشوروں، عمالِ حکومت، علمائے کرام، تعلیم یافتہ افراد، کم پڑھے لکھے لوگ، مریضوں، نوجوانوں، بچوں، خواتین، اہلِ تجارت و معیشت، مجاہدینِ ملت، طلباء و طالبات، جیل کا عملہ، قیدی، غیر مسلموں، نو مسلموں، جدی پشتی مسلمانوں غرض ہر شعبہ زندگی سے تعلق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھنے والے ہر طرح کے افراد کے لئے الگ الگ لٹریچر تیار کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اکیڈمی کا یہ دعوتی لٹریچر فی الحال اردو اور انگریزی کے علاوہ سندھی، پشتو، فارسی، روسی، ہسپانوی، چینی، جرمن، ترکی، بنگلہ اور پولش وغیرہ زبانوں میں تیار کیا جا رہا ہے اور مزید زبانوں میں تیاری کا پروگرام ہے۔

زیرِ نظر کتابچہ بھی اکیڈمی کی مطبوعات کی اسی اسکیم کا ایک حصہ ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قارئین کو اس کتابچہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اس کتابچہ اور اس کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں ہماری مدد فرمائیں۔

ڈائریکٹر جنرل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ رب العالمین ○ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وخاتم النبین محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ○
اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ المبین ○ لَقَدْ کَانَ
لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ الآیۃ صدق اللہ العظیم

سرورِ کائنات، فخرِ موجودات سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے سیاسی پہلو پر کچھ روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ سیاست کے معانی و مطالب سے متعلق مختصر طور پر کچھ عرض کر دیا جائے۔

لفظ سیاست، عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی کی مستند لغات لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ میں اس کے متعلق جو لکھا ہے وہ یہ کہ لفظ سیاست سَاسَ یَسُوْسُ کا مصدر ہے اور اس کے معنے ہیں: اَلْقِیَامُ عَلَی الشَّیْئِ بِمَا یُصْلِحُہٗ۔ کسی شے کی اصلاح کے لئے ایسی تدابیر عمل میں لانا جن سے اس کی اصلاح و درستی ہو سکتی ہو۔ پھر آگے اس کی مزید وضاحت کے لئے لکھا ہے:

السیاسۃ فعل السائس وھو من یقوم علی الدواب ویروضھا ویؤدبھا۔

ترجمہ: سیاست نام ہے سائس کے فعل کا اور سائس وہ شخص ہے جو جانوروں کی دیکھ بھال کرتا، ان کو مشق کراتا اور ادب سکھاتا ہے۔ بالفاظ دیگر سائیس کا وہ طرزِ عمل جو وہ گھوڑے کو سدھانے، سکھانے اور سواری کے قابل بنانے کے لئے اختیار کرتا ہے سیاست ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سیاست کا مفہوم و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلب سمجھنے سمجھانے کے لیے سائیس کا وہ طرزِ عمل اور طریق کار ایک بہترین مثال ہے جو وہ سرکش بچھیرے کو سدھانے، مسخر کرنے اور سواری کے قابل بنانے کیلئے اختیار کرتا ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ شروع میں بچھیرے کی پشت پر ہاتھ رکھنے سے بھی وہ بدکتا، اچھلتا اور بھاگتا ہے لیکن جب سائیس مختلف تدبیروں اور طریقوں سے اس کو مشق کرتا ہے تو وہ بتدریج ٹھیک ہوجاتا اور سواری کے قابل بن جاتا ہے، علمائے لغت نے سائیس کے مذکورہ طرزِ عمل کو سیاست سے تعبیر فرمایا ہے۔

اسی مناسبت سے اُن تدابیر کو بھی سیاست کہا گیا ہے جن کو اختیار کرنے اور عمل میں لانے سے ایک سرکش دشمن بالآخر زیر ہوجاتا اور عداوت کو چھوڑ کر دوست بن جاتا ہے۔ اسی طرح اُن تدابیر اور طور طریقوں کو بھی سیاست کہا جاتا ہے جو ایک سلطان اور والی رعایا کی خیر و بھلائی اور صلاح و فلاح کے لئے اختیار کرتا اور عمل میں لاتا ہے۔ آج سیاست سے عموماً یہی مراد لیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ علمائے لغت نے "سیاست" کے معانی و مطالب اور اس کے مختلف استعمالات و اطلاقات سے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ سیاست کے دو معانی اور مطالب ہیں۔ ایک عام اور دوسرا خاص۔ عام معنیٰ و مطلب یہ کہ کسی بگڑی ہوئی چیز کی اصلاح و درستگی کے لئے ایسی تدابیر عمل میں لانا جن سے اس کا بگاڑ دور ہو کر اس کی اصلاح و درستی ہوجاتی ہو، خواہ وہ بگڑی ہوئی چیز کوئی جانور ہو یا انسان، قوم اور معاشرہ ہو۔ سیاست کا خاص معنیٰ و مطلب وہ تدابیر اور طور طریقے ہیں جو حکمران اپنی رعایا کی اصلاح و فلاح کے لئے اختیار کرتا اور عمل میں لاتا ہے، خواہ ان کا تعلق اجتماعی نظم و نسق سے ہو یا قانون سازی اور عدل گستری سے، داخلی و خارجی امن و امان اور جنگ و صلح سے ہو یا قوانین کی عملی تطبیق و تنفیذ سے۔ اس دوسرے معنیٰ و مطلب کو سیاست کا اصطلاحی معنیٰ و مطلب بھی کہہ سکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ میں سیاست کا عام معنی و مطلب بھی صاف طور پر نظر آتا ہے اور خاص معنیٰ و مطلب بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا بھی مناسب اور مفید سمجھتا ہوں کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اس کے اندر لفظ سیاست کہیں کسی شکل میں بھی استعمال نہیں ہوا البتہ بعض احادیث نبویہ میں اس کا ذکر ضرور ملتا ہے صحیح البخاری کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں :

كَانَ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ يَسُوْسُهُمْ أَنْبِيَاءُهُمْ ترجمہ : بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب جیسا کہ خود قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے بعض نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ملک اور بادشاہ بھی تھے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرھما چنانچہ وہ قوم کی روحانی دینی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کی دنیوی اور مادی اصلاح بھی فرماتے تھے اسی چیز کو حدیث مذکورہ میں سیاست سے تعبیر فرمایا گیا ہے علاوہ ازیں مسند احمد کی تین روایتوں میں لفظ سیاست ماضی اور مضارع کے صیغوں میں استعمال ہوا ہے لیکن وہاں اس کا تعلق گھوڑے کی دیکھ بھال اور خبر گیری سے ہے انسانوں کی سیاست سے نہیں۔ لیکن یہاں یہ ضرور واضح رہے کہ قرآن مجید میں اگرچہ لفظ سیاست کا کہیں ذکر نہیں ہوا البتہ اس کے اندر لفظ حکمت بہت سی آیات میں ذکر اور استعمال ہوا ہے اس کے وسیع اور متعدد معنوں میں سیاست کا معنیٰ بھی داخل ہے گویا لفظ حکمت اپنے معنوں میں سیاست کے معنیٰ کو بھی لیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (النساء۔ ۱۱۳) اللہ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت۔ ایک اور آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی بیان فرمائے گئے ہیں ان میں کتاب کی تعلیم کے ساتھ حکمت کی تعلیم بھی ہے: يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۝ (البقرہ۔ ۱۲۹) ایک اور آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (النحل۔ ۱۲۵) اپنے رب کے راستہ کی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو بلایئے حکمت کے ساتھ۔ اِن قرآنی آیات کے موجب بلاشک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکمت کی تعلیم بھی دی اور ان کو اللہ کے دین کی طرف حکمت کے ساتھ بلایا بھی۔ لہٰذا پوری توجہ کے ساتھ یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جس حکمت کی تعلیم دی اور جس حکمت کے ساتھ دعوت دین کا فریضہ انجام دیا وہ حکمت کیا ہے تاکہ ہم اس حکمت کو ملحوظ رکھتے اور اسکے مطابق فریضۂ دعوت و تبلیغ انجام دینے کی سعادت حاصل کرسکیں۔ یہاں اس وقت میرا اصل مقصد حکمت کے دینی معنے و مفہوم پر بحث کرنا نہیں ہے اگرچہ کچھ باتیں اس کے متعلق آگے عرض کی جایئں گی۔ جو عرض کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ حکمت کے اندر سیاست کے معنے بھی موجود ہیں لہٰذا قرآن حکیم کے اندر حکمت کے ضمن میں سیاست کا ذکر بھی معنوی طور پر موجود ہے، وہ اس طرح کہ حکمت کا وسیع اور جامع مفہوم ہے وہ دانشمندانہ تدابیر اور طور طریقے جن کے اختیار کرنے سے مطلوبہ مقصد میں کامیابی کا حصول یقینی ہو خواہ وہ مقصد کسی بگڑی ہوئی چیز کو درست و ٹھیک کرنا ہو یا کسی صحیح صالح چیز کو ترقی و عروج سے ہمکنار کرنا اور فساد و بگاڑ سے بچانا اور محفوظ رکھنا ہو۔ چونکہ سیاست میں بھی مقصود کسی بگڑی ہوئی چیز کی مختلف تدابیر سے اصلاح کرنا ہوتا ہے لہٰذا وہ حکمت کی مذکورہ تعریف میں آجاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں طبیب کو حکیم کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ مریض کی صحت و تندرستی کی خاطر مختلف حالات کی مناسبت سے علاج کی مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے بجو وہ اپنی سمجھ و عقل کے مطابق ضروری خیال کرتا ہے لہٰذا ایک طبیب حاذق کے طرزِ عمل کو جو وہ علاج کے سلسلہ میں مریض کے متعلق اختیار کرتا اور روبکار لاتا ہے سیاست سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اس پر سیاست کی تعریف صادق آتی ہے۔

سیاست کے معنے و مطلب کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں سیاست اپنے جملہ معنوں میں جلوہ گر نظر آتی ہے، عام معنے و مطلب کے لحاظ سے بھی اور خاص معنے د

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلب کے اعتبار سے بھی ۔

سیاست کا عام معنیٰ و مطلب جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ کسی بگڑی ہوئی چیز کی اصلاح و درستگی کے لئے ایسی تدابیر اختیار کرنا اور عمل میں لانا جن سے اُس کا بگاڑ دور ہو کر اُس کی اصلاح و درستی ہو سکتی ہو۔ یہ سیاست حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مقدسہ میں اپنی اعلیٰ ترین اور کامل ترین صورت میں اُس طویل جدّوجہد میں نظر آتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی اصلاح کے سلسلہ میں مسلسل تیئیس سال تک فرمائی اور پھر جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وُہ کامیابی نصیب ہوئی جس کی دُنیا میں کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا ہر شخص خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم ترین انسان قرار دینے پر مجبور رہا ہے۔

اس عظیم اور بے مثال کامیابی میں جن چیزوں کو دخل تھا اُن میں سے ایک قرآن مجید اور دوسری وُہ حکمت اور سیاست تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات کے مطابق معاشرے کی اصلاح کے ضمن میں اختیار فرمائی یعنی جس کو ملحوظ و مدِنظر رکھتے ہوئے قرآنی نظام ہدایت کے ذریعے بگڑے ہوئے عرب معاشرے کی اصلاح فرمائی اُس حکمت و شرعی سیاست کو بجا طور پر سنّت رسول اللہ کہہ سکتے ہیں۔

عرب معاشرے کی اصلاح کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا اُس کی عظمت و اہمیت کا صحیح اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ایک طرف وہ عرب معاشرہ چشم تصور کے سامنے ہو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور جس کی اصلاح کے عظیم اور مشکل ترین کام پر آپ کو مامور کیا گیا اور دوسری طرف وُہ صالح معاشرہ ذہن میں ہو جس کے مطابق اِس عرب معاشرے کو تبدیل کرنا مقصود تھا۔

جس عرب معاشرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی وہ حد درجہ بگڑا ہوا اور نہایت ہی فاسد معاشرہ تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ عرب معاشرہ اُس مجوزہ صالح اسلامی معاشرے کی مکمل ضد اور نقیض تھا جس کا قیام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا مثلاً آپ صلی اللہ علیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وسلم کے پیشِ نظر جو صالح اسلامی معاشرہ تھا اس کی بنیاد عقیدۂ توحید پر تھی یعنی اس پختہ اعتقاد پر کہ اللہ ایک اور صرف ایک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اُس کی صفات میں کوئی اس کا شریک، صرف اسی نے کائنات کی ہر ہر شے کو پیدا کیا اور تنہا وہی کائنات کے پورے نظام کو چلا رہا ہے، اسی کے ہاتھ میں انسان کا نفع و نقصان اور فائدہ و ضرر ہے، نہ اس کے سوا کوئی حاجت روا ہے اور نہ مشکل کشا، صرف وہی بندوں کی ہر عبادت کا مستحق ہے، بندوں کو صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے، جان سے بھی اور مال سے بھی اور اس میں کسی دوسرے کو کسی بھی عنوان سے شریک نہ کرنا چاہیئے۔ جبکہ وہ عرب معاشرہ ہر قسم کی شرک میں مبتلا اور سراسر مشرکانہ معاشرہ تھا، شرک کی کون سی قسم اور شکل تھی جو اُس کے اندر پورے زور و شور کے ساتھ موجود نہ تھی، مادی اور معنوی کتنی ایسی ہستیاں تھیں جن کے متعلق ذہنوں میں یہ اعتقاد تھا کہ انسان کا نفع و نقصان اور فائدہ و ضرر اُن کے ہاتھ و اختیار میں ہے لہٰذا جان و مال اور قول و عمل سے اُن کی عبادت و پرستش کی جاتی تھی تاکہ ان کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ اصنام پرستی کے ساتھ ساتھ مظاہر پرستی اور ارواح پرستی کا بھی عام چلن و رواج تھا جو توحید کے سراسر منافی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر صالح اسلامی معاشرے میں حیات بعد الممات اور اُخروی جزاء و سزا کا عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا تھا جبکہ وہ عرب معاشرہ حیات بعد الممات یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا منکر تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ زندگی صرف اس دنیا کی زندگی ہے اس کے بعد نہ کوئی اُخروی زندگی ہے اور نہ یہاں کئے گئے اعمال کی جزاء و سزا ہے۔ نیز وحی و رسالت کا بھی اُس معاشرے کے اندر کوئی تصور اور اعتقاد نہ تھا جب کہ مجوزہ اسلامی معاشرے میں بالکل مختلف بلکہ متضاد تھا جس کا قیام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیشِ نظر تھا۔

اسی طرح عملی ڈھانچے کے لحاظ سے بھی عرب معاشرہ مجوزہ اسلامی معاشرے سے نمایاں طور پر مختلف تھا۔ اُس معاشرے میں ہر قسم کا ظلم و استحصال پایا جاتا تھا لہٰذا وہ ایک ظالمانہ معاشرہ تھا جب کہ مجوزہ اسلامی معاشرے میں عدل بنیادی حیثیت رکھتا تھا اور اس میں کسی ظلم و ستم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی کوئی گنجائش نہ تھی، معاشرتی پہلو سے اس وقت عرب میں لوگوں کے درمیان ذات اور خاندان و قبیلے کی بنیاد پر اعلیٰ و ادنیٰ مختلف درجات و طبقات تھے کچھ لوگ پیدائشی طور پر شریف اور کچھ پیدائشی طور پر رذیل و حقیر سمجھے جاتے تھے اور ان کے درمیان حقوق و فرائض کے لحاظ سے نمایاں فرق و امتیاز تھا غلاموں کو تو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا اُن کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا وہ بعض جانوروں کے ساتھ بھی روا نہ رکھا جاتا تھا۔ خواتین کی حیثیت بھی نہایت پست تھی۔ اُن کو وہ مقام و مرتبہ نصیب نہ تھا جس کی وہ مستحق تھیں۔ اُن کے ذمے مردوں کی حوالے سے فرائض تو بہت تھے لیکن حقوق سے وہ محروم تھیں، جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر جو اسلامی معاشرہ تھا وہ انسانی وحدت و مساوات کے تصور پر مبنی تھا یعنی اس تصور و نظریے پر کہ سب انسان پیدائشی طور پر برابر و مساوی ہیں، بحیثیت انسان کسی انسان کو پیدائشی طور پر کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں، بنیادی انسانی حقوق سب کے لئے یکساں ہیں اور ان کے لحاظ سے سب کا درجہ برابر ہے رنگ و نسل زبان، وطن، قوم قبیلے خاندان کی بنا پر کسی انسان کو دوسرے انسان پر کوئی فضیلت و بڑائی حاصل نہیں۔ فضیلت و عظمت کا تمام تر دارومدار تقوٰے پر ہے جس انسان کے اندر جتنا تقوٰی ہو اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک معزز و مکرم ہے، نوع انسان کو دیگر انواع مخلوقات پر جو شرف حاصل ہے اور جس کی وجہ سے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے اس شرف میں بلا تخصیص و امتیاز تمام انسان برابر کے شریک ہیں قرآنی آیت وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ کے بموجب ہر انسان قابلِ تکریم ہے خواہ وہ آزاد مرد ہو یا غلام ہو یا عورت کیونکہ وہ بنی آدم میں شامل ہیں۔

معاشی پہلو سے اس وقت عرب معاشرے کی حالت یہ تھی کہ اس میں سُود اور سود جیسے دوسرے معاشی معاملات، اسی طرح جُوئے و قمار کے سب طریقے عام طور پر رائج اور زیر عمل تھے۔ اس معاشرے کے اندر رزق و مال میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہ تھی ناحق طریقہ سے ایک دوسرے کا مال لیتے اور کھاتے تھے، جبکہ اس کے برعکس مجوزہ اسلامی معاشرے میں سُود اور سُود سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملتے جلتے معاشی معاملات قطعی طور پر ممنوع تھے۔ سود قمار کی ہر شکل ناجائز تھی۔ اُس میں کسی ایسے معاشی معاملے کی کوئی گنجائش نہ تھی جس میں ایک فریق کی لازماً حق تلفی ہو یا ـــــ ایسا ہونے کا قوی احتمال ہو۔ حلال و حرام میں تمیز پر سخت زور رہتا۔

سیاسی پہلو سے عرب معاشرے کی جو حالت تھی وہ یہ کہ چونکہ یہ معاشرہ بہت سے قبائل پر مشتمل تھا ہر قبیلے کا ایک سردار تھا جو اپنے قبیلے کے تمام امور و معاملات طے کرتا اور اس میں کسی دوسرے کی مداخلت کو برداشت نہ کرتا تھا ہر قبیلہ صرف اپنے ہی قبیلوی مفاد پر نظر رکھتا اور ہر طریقے سے اس کا تحفظ کرتا وہ دوسرے قبیلے سے کوئی معاہدہ قائم کرتا تو اپنے مفاد کی خاطر اور معاہدہ توڑتا تو اپنے مفاد کی خاطر۔ ان قبائل کے سامنے قومی نوعیت کا کوئی ایسا وسیع تر مفاد نہ تھا جس کی خاطر وہ ـــــــــــــ مشترک طور پر کوشش و جہد کرتے۔ نہ اُن کے سامنے کوئی ایسا اعلیٰ مقصد اور اجتماعی نصب العین تھا جو ان کو باہم مگر جوڑتا اور ان کی جدوجہد میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرتا۔ اُن کے ذہنوں میں کسی ایسی شخصیت کی کوئی گنجائش تھی جس کے گرد سب قبائل جمع ہوتے اور اس کے احکام و فرامین کی اطاعت بجا لاتے۔ سب قبائل کے مفادات الگ الگ تھے لہٰذا اکثر اوقات ان کے درمیان ٹکراؤ و تصادم ہوتا اور آپس میں جنگ و قتال کی نوبت آجاتی جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کی صورت میں نکلتا۔ غرضیکہ عرب معاشرے میں قومی پیمانے کا کوئی سیاسی، قانونی اور حکومتی نظام نہ تھا جس میں سب لوگوں کے بنیادی حقوق اور اُن کی جانوں، مالوں اور آبروؤں کے تحفظ کا انتظام ہوتا اور سب کو امن و امان کے ساتھ زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا موقع ملتا۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر معاشرہ میں قومی نوعیت کی ایسی حکومت کا وجود ضروری تھا جس کے اندر بلا کسی تخصیص و امتیاز معاشرے کے تمام افراد کے ہر قسم کے حقوق پوری طرح محفوظ ہوں اور ہر ایک کے لئے امن و امان کے ساتھ زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے مواقع موجود ہوں۔ جس کے فرائض کا دائرہ صرف ان لوگوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیوی اور مادی فلاح تک محدود نہ ہو بلکہ دینی اور روحانی فلاح و بہبود پر بھی حاوی و محیط ہو۔ نیز اس مجوزہ اسلامی معاشرے میں سیاسی طور پر یہ بھی ضروری تھا کہ اُس کے اندر ایک ایسی مجلس شوریٰ موجود ہو جس کے ارکان معیاری مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ممتاز علم و فہم، اجتماعی امور و مسائل میں گہری بصیرت اور غور و فکر کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہوں اور عام لوگ اُن پر اعتماد و بھروسہ کرتے اور ان کے فیصلوں کو خوشی سے مانتے ہوں۔ اس مجلس شوریٰ کے وجود کا مقصد بدلتے ہوئے حالات کے تحت پیدا ہونے والے نئے امور و مسائل کا حل اجتماعی مشورے سے تلاش اور طے کرنا ہو اور سربراہ حکومت ہنگامی قسم کے حالات و معاملات سے متعلق کوئی عملی قدم اُٹھانے سے پہلے اس مجلس سے مشورہ کرنے کا پابند ہو۔

اسی طرح اس عرب معاشرے میں فحاشی، بے حیائی، زنا اور شراب نوشی وغیرہ کا عام رواج تھا اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی جبکہ اسلام کے مجوزہ معاشرے میں اُن کی سخت ممانعت تھی اور ان کا ارتکاب موجب سزا و عقوبت تھا۔

اُس وقت کے عرب معاشرے اور بعد میں قائم کئے جانے والے اسلامی معاشرے کی جو تصویر اور تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ دو معاشرے ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھے، اور یہ بھی سمجھ میں آگیا ہو گا کہ اُس عرب معاشرے کو مجوزہ اسلامی معاشرے کے مطابق تبدیل اور تشکیل کرنا کتنا مشکل اور دشوار کام تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا گیا، اور یہ کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاطر خواہ طور پر کامیاب ہو جانا کتنی عظیم کامیابی تھی انسانی تاریخ میں واقعی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

اب میں کچھ اُس حکمتِ عملی اور سیاست شرعی کی تفصیل پیش کرنا چاہتا ہوں جو قرآنی ہدایات کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی اور جس کو ہر موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحوظ و مدِ نظر رکھا۔ چونکہ مقصد روزِ اوّل سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ تھا کہ دعوت و تبلیغ سے جو اصلاح عمل میں آئے اور وجود پذیر ہو وہ پائیداری کے ساتھ قائم رہے ۔ جو قدم آگے بڑھا ہے وہ کبھی پیچھے نہ ہٹے اور پیش رفت برابر جاری رہے ایسا نہ ہو کہ کسی مخالف رد عمل کے نتیجہ میں آگے بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹ جائے اور حاصل شدہ اصلاح، فساد سے اور فائدہ، ضرر سے بدل جائے ۔ مطلب یہ کہ اصلاح کے اس عظیم کام میں ترقی کی رفتار دھیمی و سست رہتی ہے تو رہے، وقت زیادہ لگتا ہے تو لگے لیکن جو اصلاحی تبدیلی وجود میں آئے عارضی و ناپائیدار نہ ہو بلکہ مستقل و پائیدار ہو اور اس کا سلسلہ برابر آگے بڑھتا رہے لہذا یہ دیکھنا بیحد ضروری تھا کہ اصلاح کا یہ کام قرآن مجید کی کن ہدایات سے شروع کیا جائے، اُن ہدایات سے جو ایمانی عقائد سے تعلق رکھتی ہیں یا اُن ہدایات سے جو عبادات یا جو معاملات سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ قرآنی نظام حیات اِن متنوع ہدایات پر مشتمل ہے، اِن میں سے بعض کا تعلق افراد معاشرہ کی ذہنی اصلاح سے ہے، بعض کا ان کی عملی اصلاح سے اور بعض کا دونوں سے ہے ۔

مزید براں، چونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ ذہنی اصلاح کے بغیر جو بھی عملی اصلاح ہو وہ ناپائیداری رہتی ہے اور کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے گویا پائیدار عملی اصلاح کا دارومدار اور تمام تر انحصار ذہنی اصلاح پر ہے اور یہ کہ ذہنی اصلاح، پائیدار عملی اصلاح کے لئے بنیاد و اساس کی حیثیت رکھتی ہے لہذا اصلاح معاشرہ کے لئے ضروری تھا کہ اس کا آغاز قرآن مجید کی ان ہدایات سے کیا جائے جن کا براہ راست تعلق افراد معاشرہ کی ذہنی اصلاح سے ہے ۔ ایسی ہدایات وہ تھیں جو ایمانی عقائد سے تعلق رکھتی تھیں ۔ ایمانی عقائد میں جو عقیدہ باقی عقائد کی بنیاد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور توحید کا عقیدہ ہے لہذا سب سے پہلے اسی عقیدہ کی طرف دعوت دی گئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایک اور صرف ایک ہے نہ اس کی ذات میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی اس کا شریک، کائنات کی ہر ہر شے کو پیدا بھی اسی نے کیا ہے اور ہر ہر شے کی پرورش و نگہداشت بھی وہی کر رہا ہے بندوں کا نفع و نقصان اور فائدہ و ضرر سب اس کے اختیار میں ہے بندوں کو جو گوناگوں نعمتیں حاصل ہیں سب اسی کی طرف سے ہیں لہذا ان پہ لازم ہے کہ صرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی کی عبادت کریں، جان سے بھی اور مال سے بھی، قول سے بھی اور فعل سے بھی، اور اس میں کسی اور کو کسی عنوان سے شریک نہ کریں۔ گویا سب سے پہلے عقیدۂ توحید کی تبلیغ کی گئی اس کے ساتھ جس دوسرے ایمانی عقیدہ کو پیش کیا گیا وہ حیات بعد الممات یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کی جزاء و سزا کا عقیدہ اور وحی و رسالت کا عقیدہ تھا جس کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لئے انہی میں سے بعض کو نبی و رسول مقرر کرتا اور وحی کے ذریعے ان کو اپنی ہدایات دیتا ہے جو کتاب الٰہی کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔

ان ایمانی عقائد کے ذریعے جو ذہنی اصلاح وجود میں آتی ہے اس کی کچھ توضیح یہ کہ قرآن مجید کی رُو سے کسی معاشرے کے عملی طور پر صالح ہونے کا مطلب ہے اس کے اندر پائے جانے والے اعمال و معاملات کا عدل اور احسان کے مطابق ہونا، اور ذہنی طور پر صالح ہونے کا مطلب ہے افرادِ معاشرہ کے ذہنوں میں عدل اور احسان کے ایسے جذبات و احساسات کا پایا جانا جن کی تحریک سے انسان بلا کسی تخصیص و امتیاز ہر دوسرے انسان کے ساتھ عدل و احسان کرنے پر مجبور اور آمادہ ہوتا ہے اور اس سے ایسے اعمال و معاملات سرزد ہوتے ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ ہر حقدار کو اس کا حق پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک ملتا ہے بلکہ اُن میں اپنے حقوق کو دوسروں کے لئے قربان کرنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق معاشرے کی ذہنی اصلاح کا مطلب ہوا افرادِ معاشرہ کے ذہنوں میں عدل اور احسان کے جذبات و احساسات کا نہایت وسیع اور عالمگیر شکل میں پایا جانا۔ چنانچہ ذہنی اصلاح کا یہ مطلب ایمانی عقائد سے ضرور حاصل ہو جاتا ہے، بالخصوص اللہ کی ذات و صفات سے متعلق ایمانی عقیدہ سے۔ اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی صفات پر ایمان و یقین سے بندے کے اندر اللہ کی محبت اور اس سے ڈر و خوف کا جذبہ پیدا ہونا ایک لازمی و فطری امر ہے اور یہ دونوں جذبے بندۂ مومن کو اللہ کی ناراضگی سے بچنے اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے پر ابھارتے ہیں جو عدل اور احسان پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کی ایک صفت ربوبیت عامہ ہے جو رب العالمین، رب الناس اور رب کل شئی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واضح ہوتی ہے یا جس پر مذکورہ الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کائنات کی ہر شے ہر جاندار اور ہر انسان کی پرورش، نشوونما اور دیکھ بھال کرنے والا اللہ اور صرف اللہ ہے جس نے کائنات کے نظام کو اس طرح بنایا کہ اس کے اندر ہر شے کی پرورش، حیات و بقا اور نشوونما کا پورا پورا سامان ہے۔ دوسری صفت رحمت شاملہ ہے جس پر اسم "رحمان و رحیم" اور جملہ "رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ" قطعی طور پر دلالت کرتا ہے اور جس کا مطلب ہے اللہ ہر شے پر رحمت و مہربانی فرمانے اور احسان کرنے والا ہے اور وہ ہر ایک کی بھلائی و بہتری چاہتا ہے۔ لہٰذا جس بندۂ مومن کا اللہ کی صفتِ ربوبیت عامہ اور صفتِ رحمت واسعہ پر اعتقاد اور ایمان ہو اُس کے دل میں خلق خدا اور تمام انسانوں کی ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ اور سب کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آنے کا داعیہ ابھرنا اور پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ اِس کے ساتھ جب اُس کو یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عدل و احسان کا سلوک کریں تو اُس کے لئے ایسے عملی احکام و قوانین پر عمل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور عدل و احسان پر مبنی ہیں۔ اسی طرح آخرت کی زندگی اور اس میں جزا و سزا کا عقیدہ بندۂ مومن کو عدل و احسان پر مبنی اعمال کرتے رہنے پر اُس صورت میں بھی آمادہ کرتا اور استقلال و استقامت بخشتا ہے جب اس کو دنیا کی زندگی میں اُن کے اچھے اثرات و نتائج ظاہر ہونے کی اُمید اور توقع نہیں ہوتی کیونکہ وُہ یہ سمجھتا اور یقین رکھتا ہے کہ اس کے نیک اعمال کا اچھا ثمرہ آخرت میں ضرور ملے گا۔ وحی و رسالت کا عقیدہ انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب اللہ پر ایمان لائے جو وحی اور فرشتہ کے ذریعے اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی اور جس کے اندر بیان شدہ ہدایات و تعلیمات کے متعلق وہ یہ سمجھے کہ وُہ اللہ کی جانب سے بندوں کے لئے ہیں۔ اسی طرح رسالت کا عقیدہ انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وُہ انسانوں میں سے ایک انسان کو رسول تسلیم کرے اور اس کو اپنے لئے ایک آئیڈیل بنا کر اپنی زندگی اس کی زندگی کے مطابق بنانے کی کوشش کرے اور یہ سمجھے کہ کتاب اللہ میں جو ہدایات و تعلیمات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اُن کا صحیح معنیٰ و مطلب وہ ہے جو رسولؐ کے اقوال و اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کے مطابق معاشرے کی عملی اصلاح کے لئے جس ذہنی اصلاح کی ضرورت تھی اس کا دارومدار چونکہ ایمانی عقائد پر تھا لہٰذا دعوت و تبلیغ کا آغاز ایمانی عقائد سے ہوا چنانچہ اس عرصہ میں مکہ مکرمہ کے اندر قرآن مجید کا جو حصّہ نازل ہوا اس میں زیادہ زور زیادہ ایمانی عقائد اور کچھ ایسے اخلاقی اعمال پر رہا جن کی اچھائی سب کے نزدیک مسلّم ہے جیسے یتیموں اور مسکینوں کی مالی امداد اور معاشی کفالت کرنا اور اُن سے نرمی و شفقت کے ساتھ پیش آنا۔ اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو دو قسم کی عملی عبادتوں کے بجا لانے کا حکم دیا گیا' ایک صلوٰۃ قائم کرنے اور دوسری زکوٰۃ ادا کرنے کا' صلوٰۃ بدنی عبادت تھی اور زکوٰۃ مالی عبادت۔ فرمایا : اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ ماہ رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ کی عبادات بعد میں مدینہ منورہ کے اندر فرض ہوئیں۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر صلوٰۃ اور زکوٰۃ ہی لازم اور فرض تھی اور زکوٰۃ کا مطلب اُس وقت صدقہ و خیرات تھا اس میں اس قسم کا کوئی تعلق نہ تھا کہ کس مال میں سے کتنے عرصہ کے بعد کتنی زکوٰۃ دی جائے یہ تفصیلات بعد میں مدینہ منورہ میں طے پائیں۔

مکہ مکرمہ میں ایمانی عقائد کی تبلیغ و تعلیم کے بعد صلوٰۃ اور زکوٰۃ پر زور دینے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے ذریعے ایک طرف مومنوں کے ایمان کا عملی ثبوت فراہم ہوتا اور اس کو تقویت ملتی رہے' دوسری طرف مومنوں کے ذہنوں کے اندر ایمانی عقائد زندہ' تازہ اور بیدار رہتے اور ان کے ذریعے پیدا شدہ عدل و احسان کے جذبات و احساسات اپنی وسیع عالمگیر شکل میں قائم رہتے اور استحکام و مضبوطی حاصل کرتے اور تیسری طرف مومن بندوں کے اندر قوانین عدل و احسان پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی۔ صلوٰۃ میں جو پڑھا اور کیا جاتا ہے اس میں جملہ ایمانی عقائد کا ذکر بھی ہے اور اپنی عاجزی و فروتنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا اظہار بھی' اجتماعی نظم و نسق کی پابندی بھی اور باہمی تعلقات و معاملات میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مساوات و برابری کی عملی تربیت بھی، اسی طرح زکوٰۃ کی عبادت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندۂ مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت، مال و دولت کی محبت سے بہت زیادہ ہے وہ اللہ اُس کے رسول کی رضا کی خاطر اپنے مال کو قربان کر سکتا ہے نیز زکوٰۃ کے ذریعے معاشرے کے مسکین و فقیر اور مفلس و نادار افراد کی معاشی پریشانی دور ہوتی اور معاشی حالت سدھرتی اور اغنیاء اور فقراء کے تعلقات میں مضبوطی اور خوشگواری رونما ہوتی ہے۔ غرضیکہ غور سے دیکھا جائے تو اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا معاشرے کی اصلاح میں نہایت اہم رول اور کردار ہے بشرطیکہ ان کو شعور کے ساتھ صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے۔ نیز اقامت صلوٰۃ تمام بدنی عبادات اور ایتاء زکوٰۃ تمام مالی عبادات کی اساس و بنیاد ہے جو بعد میں فرض ہوئیں۔

مکی دَور میں مسلمانوں کو ایسے شرعی احکام پر عمل کی دعوت نہیں دی گئی جو قرآنی نظام حیات کے اندر اجتماعی زندگی کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے تعلق رکھتے تھے اس لئے کہ اس وقت مکہ مکرمہ کا جو اجتماعی ماحول تھا اور اس کے اندر مسلمانوں کی جو اجتماعی حالت تھی اُس میں نہ اُن شرعی احکام پر پوری طرح عمل ہو سکتا تھا اور نہ مطلوبہ نتائج پائیداری کے ساتھ حاصل ہو سکتے تھے جو اُن احکام پر عمل سے مقصود تھے۔ بالفاظ دیگر مذکورہ قسم کے شرعی احکام کے عمل میں آنے اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے لئے جن سازگار ذہنی اور خارجی حالات کا وجود ضروری تھا وہ چونکہ مکی دَور میں موجود نہ تھے لہٰذا مسلمانوں سے ان پر عمل کا مطالبہ نہیں کیا گیا اور یہ اس حکمتِ عملی اور سیاست شرعی کے عین مطابق تھا جس کا پہلے قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے۔ آگے چل کر مدنی دَور میں جب موافق و سازگار ذہنی اور خارجی حالات پیدا ہو گئے اور مخالف ردِ عمل کے تدارک کے مواقع میسر آگئے تو ان شرعی احکام کا نفاذ عمل میں آیا اور یہ نفاذ بھی دفعتاً نہیں بلکہ تدریج کے ساتھ رفتہ رفتہ عمل میں آیا۔ ہر حکم اور ہر قانون کے نفاذ سے پہلے ایک طرف تعلیم و تربیت کے ذریعے ذہنوں کو اُس کے قبول کرنے کے لئے ہموار اور تیار کیا گیا اور دوسری طرف خارج سے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مادی و معنوی اسباب و موانع دور کئے گئے جو اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے مثال کے طور پر تحریم خمر کے حکم کو ابلیجئے قرآن و حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تدریج کے ساتھ عمل ہوا پہلے یہ فرمایا گیا کہ نماز کے اوقات میں اُس کا استعمال نہ کیا جائے اور یہ بھی اس وقت فرمایا جب یہ دیکھا کہ ذہنوں میں نماز کی اہمیت اور ضرورت اس درجہ بیٹھ گئی ہے کہ لوگ اس کو کسی صورت چھوڑ نہیں سکتے اور اس کی خاطر ہر مرغوب چیز کو چھوڑ سکتے ہیں چنانچہ جب نمازوں کے اوقات میں لوگوں نے اس کا استعمال ترک کر دیا تو اس سے اُن کی عام عادت پر اثر پڑا اور اس میں وہ سختی نہ رہی جو پہلے تھی۔ پھر جب اُن کو قرآن مجید سے یہ معلوم ہوا کہ یہ رجس اور شیطانی عمل ہے تو ان کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہوئی اور ایک ایسی صورتِ حال وجود میں آئی جو اس کی ہر وقت میں مکمل تحریم اور اس سے کلی اجتناب کے لئے پوری طرح موافق و سازگار تھی تو اس کی تحریم اور مکمل ممانعت کا حکم نافذ کیا گیا جو خاطر خواہ طور پر کامیاب ہوا لوگوں کے گھروں میں شراب کے جو مٹکے تھے وہ توڑ دیئے گئے جو شراب کے بنانے اور استعمال کرنے کے لئے مخصوص تھے اور ان کو دیکھ کر شراب کی یاد آسکتی تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ خمر کی مکمل ممانعت کا حکم مدنی دور کے شروع میں نافذ نہیں ہوا بلکہ تقریباً آخر میں ہوا کیونکہ سورۃ المائدہ میں اس کی تحریم و ممانعت کا حکم ہے وہ تقریباً آخر میں نازل ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ شروع میں اس کے لئے سازگار ذہنی ماحول موجود نہ تھا اور مخالف ردِ عمل کا اندیشہ تھا یعنی یہ کہ عام لوگ خوشی کے ساتھ اس کو قبول کر کے اس پر عمل نہیں کر پائیں گے لہٰذا مذکورہ حکمتِ عملی کے تحت اُس وقت اس کا نفاذ نہ ہوا لیکن بعد میں جب اس کے لئے سازگار فضا تیار ہو گئی اور مخالف ردِ عمل کا خطرہ نہ رہا تو اس کا نفاذ عمل میں آیا ' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک قول کتب حدیث میں ملتا ہے جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ اگر شروع میں ہی شراب نوشی کی ممانعت کر دی جاتی تو لوگ اس پر عمل نہ کر پاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مقصد میں کامیابی نہ ہوتی جو بعد میں اُس وقت ہوئی جب ذہن اس کے لیئے تیار اور ہموار ہو گئے۔

یہی حکمت عملی اور یہی حکیمانہ طرزِ عمل معاشی اصلاح کے لیئے معاشی قوانین کے نفاذ میں اختیار کیا گیا۔ پہلے مزارعت کی ایسی شکلوں کو ممنوع ٹھہرایا گیا جو عموماً نزاع و جھگڑے کا باعث بنتی تھیں اور بعد میں اس کی ہر شکل کی کلی طور پر ممانعت کر دی گئی۔ معاملۂ ربوا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ پہلے اس کی "اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً" والی شکل سے روکا گیا اور آخر میں سنہ ۹ ہجری میں اس کی ہر شکل کو ممنوع قرار دے دیا گیا جب سورۂ بقرہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں تحریم اور ممانعت ربوٰ کا واضح اور قطعی حکم تھا۔ بعض رِوایات کے مطابق یہ آیات نزول کے لحاظ سے قرآن مجید کی تقریباً آخری آیات ہیں۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلانات فرمائے اُن میں ایک اعلان ربوٰ کی ممانعت کا بھی تھا۔ حجۃ الوداع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اَسّی دِن پہلے ہوا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بعد تقریباً اَسّی دن اِس دنیا میں بقید حیات رہے۔

ربوٰ کی تحریم اور ممانعت کا اعلان اگر مدنی دَور کے شروع یا وسط میں کر دیا جاتا تو اُس کے رَدِ عمل سے مسلمان جماعت اَور اُس کے نصب العین کو نقصان پہنچتا کیونکہ اُس وقت مسلمان معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل نہ تھے بلکہ مجبور تھے کہ غیر مسلم یہودیوں کے ساتھ اُن کی مرضی کے مطابق معاشی تعلقات استوار رکھیں۔ نیز اس وقت عام طور پر مسلمانوں کے اندر انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ کا جذبہ بھی پوری طرح نہیں ابھرا تھا، اور بیت المال کا ایسا نظام بھی قائم نہ ہوا تھا جس سے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری ہو گئیں اور اُن کو سُود پر قرض لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ لیکن آخر میں جب مسلمان معاشی لحاظ سے خود کفیل ہو گئے، اور ان کے دِلوں میں عام طور پر انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ کا جذبہ موجزن ہو گیا اور بیت المال کا ادارہ بھی قائم ہو گیا تو ربوٰ اور ربوٰ ایسے دوسرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالی معاملات کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا گیا۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روزِ اوّل سے مقصد یہ تھا کہ اسلامی ہدایات کے ذریعے اصلاحِ معاشرہ کا جو عظیم کام شروع ہوا ہے پائیداری کے ساتھ مسلسل جاری رہے اور بالآخر پایۂ تکمیل تک پہنچے اور کامیابی سے ہمکنار ہو لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین و معاندین کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مختلف حالات و ظروف کے اندر مختلف رویّے اور طرزِ عمل اختیار فرمائے۔ مکی دور میں مشرکین قریش کے تشدد کے مقابلہ میں عدم تشدد اور جور و ستم کے جواب میں عفو و درگذر کا رویّہ اور طرزِ عمل اختیار فرمایا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ میں مشرکین و کفار مکہ کے جارحانہ حملوں کے مقابلہ میں دفاعی جنگ کا رویّہ اور طرزِ عمل اختیار فرمایا، صلح حدیبیہ کے موقع پر جو رویّہ اختیار فرمایا وُہ مصائب کا رویّہ تھا، فتح مکہ کے بعد سازشی مشرکین کے متعلق تشدّد اور سختی کا رویّہ و طرزِ عمل اختیار فرمایا۔ اسی طرح مدینہ پہنچنے کے بعد ابتداء میں یہود مدینہ کے مقابلہ میں مصالحت کا رویّہ اختیار فرمایا جیسا کہ میثاق مدینہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعد میں جب یہودیوں کی طرف سے معاہدوں کی خلاف ورزی سامنے آئی تو اُن کے متعلق تشدّد کا رویّہ اختیار فرمایا گیا۔ غور سے دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کفار کے مقابلہ میں جن حالات میں جو بھی رویّہ اور طرزِ عمل اختیار فرمایا وُہ مقصد مذکور کے لئے مفید اور ضروری تھا۔ مطلب یہ کہ اگر آپؐ مکی دَور میں جب کہ مسلمانوں کی تعداد کفار و مشرکین سے بہت کم اور ان کے پاس اسباب کی بھی بہت قلت تھی، کفار و مشرکین کے تشدّد کا جواب تشدّد سے دیتے، یا مدنی دَور کے ابتدائی سالوں میں مشرکین مکہ کے جارحانہ حملوں کے مقابلہ میں دفاعی جنگ کا رویّہ اختیار نہ فرماتے اور جنگ کا جواب جنگ سے نہ دیتے، یا فتح مکہ کے بعد مشرکین کے متعلق تشدّد کا رویّہ اختیار نہ کیا جاتا اور اُن کو من مانی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا، یا مدینہ کے ابتدائی دَور میں مدینہ کے یہود وغیرہ کے ساتھ مصالحت کا رویّہ اختیار نہ کیا جاتا بلکہ مخالفت کا رویّہ اختیار کیا جاتا، اسی طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعد میں جب یہود کی طرف سے معاہدوں کی خلاف ورزی سامنے آئی اور سازشوں میں شرکت منکشف ہوئی تو اُس وقت اگر ان کے متعلق تشدد و سختی کا رویہ اختیار نہ کیا جاتا تو اس کے ردعمل کے نتیجہ میں مسلمان جماعت اور اس کے اجتماعی نصب العین کو شدید نقصان پہنچتا اور منزلِ مقصود کی طرف اس کی پیش قدمی رک جاتی اور عہدِ نبوت میں معاشرے کی مکمل اصلاح اور تمام ادیان پر دین اسلام کے غلبہ کا مقصد حاصل نہ ہو پاتا جس کا قرآن مجید کی آیت : هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ٥ (الصف ۹) میں ذکر ہے، ترجمہ ہے : اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطہ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُس کو تمام ادیان پر غالب کر دکھائے اور اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے اور وہ غصہ سے کتنے ہی پیچ تاب دکھائیں۔

حضرات یہاں تک جو عرض کیا گیا وہ حیاتِ طیبہ اور سیرت مقدسہ کے اندر پائی جانے والی عمومی سیاست سے متعلق تھا جس سے عرب کے نہایت بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کے کام میں فائدہ اٹھایا گیا اور جس کے معنے ہیں "والقیام علی الشئ بما یصلحہ" اور اب میں اُس خصوصی سیاست کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو حکومت و ریاست کے امور و معاملات سے متعلق سیرت طیبہ کے اندر پائی جاتی ہے اور جس کو عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی سمجھا اور کہا جاتا ہے، اس خاص سیاست سے متعلق بھی حدیث و سیرت کی کتابوں میں کافی مواد ملتا ہے جس کا تمام تر تعلق سیرت طیبہ کے مدنی دور سے ہے، اس لئے کہ ریاست و حکومت اور اس سے متعلق امور و مسائل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ ہی میں پیش آئے، خود مدینہ کے متعلق بھی اور جزیرۃ العرب کے دوسرے شہروں اور علاقوں سے متعلق بھی۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد جو ایک عظیم سیاسی کارنامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظہور میں آیا وہ، وہ تحریری معاہدہ تھا جو مدینہ کے تمام باشندوں کے درمیان اتفاق کے ساتھ طے پایا اور جس کے نتیجہ میں مدینہ کے اندر امن و اطمینان کی فضا پیدا ہوئی۔ اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ مدینہ کے اندر مسلمانوں کے علاوہ جو دوسرے غیر مسلم شہری ہیں اُن میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اصل عرب اور بت پرست مشرک ہیں اور دوسرے خاصی تعداد میں اہلِ کتاب یہودی ہیں جو کافی زمانہ پہلے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے، پڑھے لکھے اور باا ثر لوگ ہیں اور پھر بد قسمتی سے اُن میں سے ہر ایک دو متحارب گروہوں میں منقسم تھا، مشرکین جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے اوس اور خزرج دو متحارب قبیلوں پر مشتمل تھے، اسی طرح یہود اہل کتاب بھی بنو نضیر اور بنو قریظہ وغیرہ قبیلوں پر مشتمل تھے جن کے مابین جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ، مشرکین کے ایک قبیلہ کا حلیف اور دوسرا قبیلہ، مشرکین کے دوسرے قبیلہ کا حلیف تھا باہمی آویزش اور جنگ کا سلسلہ کافی زمانہ سے ان کے مابین چلا آرہا تھا جس کی وجہ سے مدینہ کی فضا مکدّر، کشیدہ اور پراگندہ تھی مدینہ کی یہ داخلی صورتِ حال چونکہ اُس مقصد کی راہ میں رکاوٹ تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا لہٰذا آپؐ نے اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور اپنے مقدس مشن کی کامیابی کے لئے ضروری سمجھا کہ مدینہ کے غیر مسلم قبائل کے ساتھ دوستی اور امن و سلامتی کا معاہدہ کر کے اُن کو ایک وسیع تنظیم و اتحاد میں منظم و متحد کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی ایک جامع اور قابلِ قبول دستاویز تیار کر کے سرداران قبائل کے سامنے پیش کی، اور چونکہ معاہدے کی اس تحریر میں سب کے لئے تین چیزوں یعنی جان، مال اور آبرو کے تحفظ اور مذہبی آزادی کی پوری پوری ضمانت موجود تھی لہٰذا اس کو قبول کرنے اور اس پر اتفاق کرنے میں کسی کو رکاوٹ پیش نہ آئی اور سب نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اس تحریری معاہدے میں کیا کیا لکھا گیا اور اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندرجات کیا تھے اس کی پوری تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے جو دیکھنا چاہے اُن میں دیکھ سکتا ہے' اس وقت میرا مقصد اس کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ اس معاہدے سے مدینہ کی داخلی فضا فوراً متاثر ہوئی اور بدامنی و بے چینی کی حالت امن و آشتی سے بدل گئی اور مسلمانوں کو اپنے مشن کے لئے سکون اور یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کا موقع میسّر آگیا' یہ دستاویز آگے چل کر میثاق مدینہ کی شہری ریاست کے دستور کے نام سے معروف ہوئی۔ واضح رہے کہ اس معاہدے و میثاق میں مدینہ کے تمام شہریوں کو ایک قوم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سربراہ تسلیم کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ نزاعی امور و معاملات میں آخری فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عرصہ میں مدینہ کے اردگرد رہنے والے کچھ دوسرے قبائل سے بھی دوستی اور سلامتی کے معاہدے کئے' تاکہ آئندہ مشرکین مکہ کی طرف سے ہونے والے متوقع حملوں میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو اور تحفظ میں مدد ملے۔ ظاہر ہے کہ یہ معاہدے بھی سیاسی نوعیت کے تھے۔

اسی طرح منافقین کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا گیا وہ بھی سیاسی نوعیت کا تھا۔ مدینہ میں کچھ لوگ دنیوی مصلحتوں اور مادی مفادات کی خاطر بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن دِل سے کافر تھے۔ یہ لوگ زبان سے کلمۂ شہادت پڑھتے' مسلمانوں کے ساتھ مل کر نمازیں ادا کرتے' روزے رکھتے' جہاد وغیرہ میں شریک ہوتے اور تمام ظاہری اعمال بجا لاتے لیکن ان کے دِل ایمان سے خالی تھے نہ اللہ کی الوہیت پر ان کا ایمان تھا اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر۔ مسلمانوں سے میل جول میں دوستی اور خیر خواہی کا اظہار کرتے اور دِل میں اُن کے متعلق عداوت و دشمنی رکھتے اور در پردہ اُن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ دشمنانِ اسلام یہودیوں کے ساتھ مل کر پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے خلاف سازباز کرتے' وغیرہ وغیرہ۔ اُن کی اس منافقانہ حالت کا اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے قرآن مجید میں انکشاف کیا۔ علاوہ اُن بہت سی آیات کے جو سورۂ التوبہ وغیرہ میں نازل ہوئیں ایک مستقل سورت "المنافقون" کے نام سے اتری اور منافقوں کی اصلیت اور ان کی خباثتوں اور بدمعاشیوں کو بے نقاب کیا گیا تاکہ مسلمان اُن سے چوکنا رہیں اور دھوکہ نہ کھائیں۔ اِس بارے میں جو بات عرض کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ منافقین کے حالات بذریعہ وحی معلوم ہو جانے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کو مسلم جماعت سے نہ نکالنا، ان کو برداشت کرنا اور کوئی سزا نہ دینا، خالص سیاسی نوعیت کا رویہ تھا اور اس شرعی مصلحت پر مبنی تھا کہ چونکہ ان کے ظاہری حالات کی وجہ سے غیر مسلم ان کو مسلمان گردانتے تھے لہٰذا اگر اُن کو اُن کے نفاق اور باطنی کفر کی بنا پر مسلم جماعت سے نکال دیا جاتا اور ان کو وہ سزا دی جاتی جس کے وہ شرعاً مستحق و سزاوار تھے تو غیر مسلم کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور یہ کہنے کا موقع ملتا کہ محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں سے بدسلوکی اور زیادتی کر رہا ہے لہٰذا لوگوں کو اس کا ساتھ نہ دینا اور اس کا دین قبول نہ کرنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اسلام کی اشاعت پر منفی اثرات پڑ سکتے تھے اور اس کو وقتی طور پر نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا اُس وقت کے خاص حالات میں دینی مصلحت کا تقاضا تھا کہ منافقین کو بادلِ نخواستہ برداشت کیا جائے اور ان کو وہ سزا نہ دی جائے جس کے شرعاً وہ مستحق تھے۔

اَب میں اُس نبوی ریاست و حکومت کے کچھ خدوخال اور خصوصی کوائف بیان کرنا چاہتا ہوں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی نظام ہدایت کے مطابق مدینہ منورہ میں قائم فرمائی اور جس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ تھے۔ یہ ریاست و حکومت اپنی خصوصیات کے لحاظ سے عجیب و غریب اور اپنی مثال آپ تھی اس میں سربراہِ ریاست و حکومت کے لیے نہ کوئی تاج و تخت تھا نہ کوئی قصر و محل۔ عام لوگوں کے رہن سہن اور بود و باش کا جو معیار تھا وہی سربراہ ریاست و حکومت کا تھا۔ مظاہر معیشت میں اس کے لئے کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امتیاز نہ تھا۔ ہر قسم کے تکلفات سے پاک فطری سادگی اُس کی شان تھی یہی حال اُس کے سب رفقاء کا بھی تھا جو ریاست و حکومت کے مختلف فرائض و وظائف انجام دیتے تھے۔

پھر چونکہ اسلام میں حکومت کے وجود کا مقصد بلا کسی تخصیص و امتیاز تمام شہریوں کے ہر قسم کے حقوق کا پوری طرح تحفظ کرنا۔ لوگوں کے نزاعی امور و معاملات کو عدل و انصاف کے مطابق سلجھانا و نمٹانا، اور مملکت میں داخلی و خارجی امن و امان کا قیام عمل میں لانا تھا، لہٰذا اس نبوی حکومت میں اس کا مکمل طور پر اہتمام اور انتظام تھا۔ اسلام کے قوانین عدل کے نفاذ اور ان پر عمل کے نتیجہ میں ہر فرد کے ہر قسم کے حقوق محفوظ تھے۔ عدالت کا ایسا انتظام قائم ہوا جس کے اندر ہر مظلوم و مستغیث بغیر کسی روک ٹوک اور بغیر کسی دشواری کے مفت انصاف و دادرسی حاصل کر سکتا تھا۔ دعویٰ ثابت ہو جانے پر کسی ظالم اور غاصب کی مجال نہ تھی کہ وہ مظلوم کو اُس کا حق واپس نہ لوٹائے اور اپنی تعدی و زیادتی کا مناسب خمیازہ نہ بھگتے۔ جرم و سزا کے قوانین سب کے لئے یکساں و برابر تھے۔ ان کے نفاذ میں کسی سے کوئی رو رعایت نہیں برتی جاتی تھی اور نہ کسی کی حیثیت کا کوئی لحاظ رکھا جاتا تھا کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان اور حکم ہے۔

تیسری خصوصیت اُس نبوی ریاست و حکومت کی یہ تھی کہ اس کے اندر لوگوں کی دنیوی و مادی رفاہ اور فلاح و بہبود کے ساتھ ان کی دینی اور روحانی حالت کی اصلاح و فلاح کا بھی پورا اہتمام تھا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جہاں سب شہریوں کی مادی ضروریات کا خیال رکھتے وہاں وہ اُن کی روحانی اور دینی ضروریات کی طرف بھی بھرپور توجہ فرماتے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کی خاطر کہ معاشرے کا کوئی فرد اور ریاست کا کوئی شہری بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ رہے، ہر ایک کے لئے کسی نہ کسی شکل میں غذا، لباس اور مکان کا انتظام ہو، دو اسلامی ہدایات جاری فرمائیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک یہ کہ جو شخص کسب معاش کے سلسلہ میں کوئی کام کاج کر سکتا ہو وہ ضرور کچھ کام کاج کرے اور اپنے اہل وعیال کا معاشی بوجھ خود اٹھائے اور بلا کسی جائز عذر کے دوسروں پر بوجھ نہ بنے' دوم یہ کہ جو لوگ کسی مستقل یا عارضی عذر جیسے بچپنے' بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے کوئی معاشی کام کرنے اور خود کمانے کی قدرت وصلاحیت نہ رکھنے کی وجہ سے مفلس و نادار ہوں اور اقربا میں بھی کوئی ان کی معاشی کفالت کرنے والا نہ ہو تو اُن کی معاشی کفالت کی ذمہ داری بیت المال پر اور معاشرے کے غنی و مالدار افراد پر عائد ہوتی ہے کہ وُہ ان کے لیے معاشی ضروریات مہیا کریں۔ نیز ایسے اشخاص بھی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہوتے جو اپنا پورا وقت تعلیم وتعلّم یا کسی دوسری اجتماعی خدمت میں صرف کر رہے ہوتے تھے۔ ان دو ہدایات پر پوری طرح عمل ہو تو کوئی شخص بنیادی معاشی ضرورت سے محروم اور تہی دست نہیں رہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے معاشی توازن کو قائم و برقرار رکھنے کی خاطر اسلام کی ایک ہدایت اور تعلیم یہ بھی ہے کہ فاضل مال و دولت رکھنے والا کوئی فرد رہن سہن وغیرہ میں ایسا بلند معیار زندگی اختیار نہ کرے جس کو معاشرے کے باقی افراد اختیار نہ کر سکتے ہوں کیوں کہ اس سے باقی لوگوں کے اندر اس معیار زندگی کی ہوس و خواہش اُبھرتی ہے پھر جب اس کے لئے ان کی مالی حالت ان کا ساتھ نہیں دیتی تو وہ مایوسی کا شکار ہوتے یا اس کی خاطر ناجائز طریقوں سے حرام مال حاصل کرنے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ حسد کا جذبہ نادار لوگوں کے دلوں میں اُبھرتا اور عام لوگ اُس اعلیٰ معیارِ زندگی اختیار کرنے والے کو بُرا سمجھنے لگتے ہیں غرضیکہ اس سے کئی اجتماعی مفاسد ظہور میں آتے اور معاشرے کو لازماً ضرر و نقصان پہنچتا ہے۔ لہٰذا مدینہ کی اسلامی ریاست میں مذکورہ ہدایت و تعلیم پر بھی پوری طرح عمل تھا اور معیار معیشت میں تقریباً مساوات تھی بعض صحابۂ کرام کے پاس مال و دولت کی کثرت و فراوانی تھی' جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ' لیکن ان کا معیار زندگی دوسروں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعلیٰ اور ممتاز نہ تھا۔ لکھا ہے کہ وہ جب اپنے غلاموں میں بیٹھے ہوتے تو باہر سے آنے والا کوئی اجنبی شخص پہچان نہیں سکتا تھا کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون' یہ اس لیے کہ اُن کے سامنے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا کہ جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی اپنے غلاموں کو بھی پہناؤ' وغیرہ بعض احادیث نبویہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں ایک صحابیؓ نے اپنے مکان کے اوپر قبہ کا بالاخانہ بنایا اور دوسرے مکانوں کے مقابلہ میں اس کے اندر ایک امتیازی شان پیدا کی۔ اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا اُس مکان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے پوچھا یہ کس کا مکان ہے؟ عرض کیا گیا فلاں کا ہے تو آپؐ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی اور ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے' بعد میں جب اس مکان کا مالک صحابی حسب معمول خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو نہ سلام کا جواب ملا اور نہ اس کی طرف التفات فرمایا۔ وہ نہایت پریشان ہوا۔ وجہ دریافت کرنے پر ایک صحابی نے اس کو بتلایا کہ اس کی وجہ تمہارے مکان کے اوپر وہ قبہ نما بالاخانہ ہے جو تم نے حال ہی میں بنایا ہے اس کو دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے یہاں تک تمہارے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ ہوا' یہ سنتے ہی وہ صحابی گھر گیا اور فوراً نئے تعمیر شدہ حصہ کو مسمار کر دیا' اور کچھ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے جب دوبارہ گزر ہوا تو آپ نے مکان کے اس حصے کو نہ دیکھ کر ساتھیوں سے پوچھا کہ وہ کیا ہوا؟ تو جواب میں عرض کیا گیا کہ جب اس کے مالک کو آپ کی ناراضی و ناگواری کا علم ہوا تو اس نے فوراً اس حصہ کو گرا دیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اسلام اس کو تو جائز تسلیم کرتا ہے کہ معاشرے کے بعض افراد کے پاس مال و دولت کم اور بعض کے پاس زیادہ ہو لیکن اس کو جائز تسلیم نہیں کرتا کہ جس کے پاس زیادہ مال و دولت ہو وہ فخریہ طور پر اور اپنی برتری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جتلانے کے لئے اونچے معیار زندگی کے ذریعے اپنی مالداری اور دولتمندی کا مظاہرہ کرے جس کا دوسرا نام قارونیت ہے جو قرآن مجید کے اندر قارون کے قصے سے ظاہر ہوتی اور جس کا انجام تباہی و بربادی ہے۔

انسان کے لئے علم کی جو اہمیت اور قدر و قیمت ہے وہ کسی بیان کی محتاج نہیں ایک حدیث نبوی میں علم کی طلب اور اس کے حصول کے لئے کوشش ہر مسلمان فرد اور عورت پر فرض ہے ایک حدیث نبوی کے الفاظ ہیں: طلب العلم فریضة على كل مسلم ومسلمة۔ علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہے چنانچہ مدینہ منورہ کی اس اسلامی ریاست میں علم کے حصول کا پورا انتظام تھا۔ علم میں چونکہ سرفہرست دین کا علم ہوتا ہے جس پر انسان کی حقیقی فلاح و کامرانی کا دارومدار ہے لہذا اس ریاست میں ہر مسلمان اس علم سے آسانی کے ساتھ بہرہ ور ہو سکتا تھا بلکہ ضروری تھا کہ وہ اس سے بہرہ ور ہو اور یہ جانتا ہو کہ جس دین کو اس نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اس کی بنیادی اور موٹی موٹی باتیں اور تعلیمات و ہدایات کیا ہیں اور یہ کہ اس کے ذمے بحیثیت مسلم کے جو فرائض و واجبات عائد ہوتے ہیں اُن کی تفصیل کیا ہے۔ چونکہ یہ علم ایک انسان کو دوسرے انسان کے زبانی بیان سے حاصل ہو جاتا ہے لہذا اس کے لئے لکھنا پڑھنا ضروری نہیں۔ حدیث مذکورہ میں جس علم کا حصول ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے وہ یہی علم ہے جو معلّم کی زبان سے سن کر حاصل ہو جاتا ہے لکھنے پڑھنے والا نہیں۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان علم والا نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ آپ علم کے بحر ذخار تھے لیکن ظاہر ہے کہ آپ کا علم رسمی طریقہ سے لکھنے پڑھنے کا مرہون منت نہ تھا آپ کو قرآن مجید کا علم کسی انسان سے نہیں بلکہ اللہ کی وحی سے حاصل ہوا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علم اس انسان کو بھی حاصل ہوتا ہے جو باقاعدہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ صحابہ کرام میں ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرات کی تعداد بہت کم تھی جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں لیکن اُن سب کو دین کا علم حاصل تھا اور وہ بلاشبہ عالم دین تھے۔ جہاں تک لکھنے پڑھنے کے علم کا تعلق ہے اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے جس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کے لئے مالی فدیہ کی بجائے یہ مقرر کیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک کم از کم دو مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی متعدد آیات میں کاغذ، قلم، روشنائی اور کتاب کا جس اسلوب سے ذکر ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لکھنا پڑھنا انسان کے لئے نعمت ہے جس سے اُس کو فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ غرضکہ اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست میں حکومت کے زیر سرپرستی دینی تعلیم و تعلّم کا باقاعدہ اہتمام تھا۔ مسجد نبوی کے ایک حصّہ میں صفہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم تھی جس میں باقاعدہ معلّم تیار کئے اور ملک کے مختلف علاقوں میں بھیجے جاتے تھے تاکہ وہ نومسلموں کو قرآن مجید اور شریعت اسلامی کی تعلیم دیں اور یہ کہ اس کے عوض کسی سے کچھ نہ لیں۔

دینی تعلیم کے ادارے کی طرح وہاں دعوت و تبلیغ کا بھی ایک فعّال ادارہ قائم تھا جس میں داعی اور مبلغ تیار کرکے غیر مسلموں میں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے حکومت کی نگرانی میں بھیجے جاتے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران – ۱۱۰) یعنی مسلمانو! تم بہترین امت ہو جو انسانوں کی بھلائی و بہتری کے لئے سامنے لائی گئی ہے لہذا تمہارا فریضہ ہے کہ اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دو اور بُرے کاموں سے روکو اور اللہ پر ایمان کا ثبوت پیش کرو۔

دوسری آیت یوں ہے: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط (آل عمران – ۱۰۴) ترجمہ: مسلمانو! تم میں ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیئے جو خیر و بھلائی کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے رُکے۔

ان مذکورہ قرآنی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ امتِ مسلمہ کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبہ سے غیر مسلموں کو دین اسلام کی طرف دعوت دے اور اُن کے اندر تبلیغ کرے، اچھائیوں پر امادہ کرے اور برائیوں سے رُکے لہٰذا مدینہ کی اسلامی ریاست کے اندر اس اجتماعی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے دعوت و تبلیغ کا مؤثر اہتمام اور انتظام تھا باقاعدہ داعی و مبلغ تیار کرکے اُن قبیلوں اور علاقوں میں بھیجے جاتے تھے جو کفر و شرک میں مبتلا اور ایمان و توحید سے ناآشنا تھے اور پھر دعوت و تبلیغ کا یہ مبارک اور اہم کام جزیرۃ العرب تک محدود نہ تھا بلکہ باہر کے کئی ممالک تک بھی وسیع اور پھیلا ہوا تھا۔ کتب حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور سربراہوں کو دعوتی خطوط لکھے اور اپنے آدمیوں کے ذریعے بھیجے، جیسے ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر وغیرہ کو۔ ان خطوط کے جواب میں ان کی طرف سے جو ردِ عمل سامنے آیا اس کی تفصیل حدیث و سیرت کی کتابوں میں درج ہے۔

اسی طرح چونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی بھی ہدایت اور تاکید ہے اگرچہ وہ قتال دفاع ہی کے لئے کیوں نہ ہو تا باطل پرست جب حق کو مٹانے اور سرنگوں کرنے کے لئے آمادۂ جنگ و قتال ہو جاتے ہیں تو حق پرستوں پر فرض اور لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی جنگ و قتال کریں ظاہر ہے کہ اس کے لئے باقاعدہ ایک ایسی فوج کی ضرورت ہوتی ہے جو جنگی تربیت یافتہ اور حرب و قتال کے طور طریقوں کو جانتی اور ان میں مہارت رکھتی ہو۔ لہٰذا مدینہ منورہ کی بنوی ریاست میں اس کا بھی مناسب انتظام تھا۔ ہر صحت مند جوان مرد پر لازم تھا کہ وہ جنگ میں کام آنے والے فنون کی تربیت و مہارت حاصل کرے گھڑ سواری، تیراندازی، نیزہ بازی اور شمشیرزنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے فنون سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی کوشش اور جدّ وجہد کرے تاکہ ضرورت پڑنے پر وُہ قومی فوج میں شریک ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکے۔ اس کیلئے وہاں فوج کا ایک الگ اور مستقل ادارہ موجود نہ تھا جیسا کہ عہدِ حاضر کی مملکتوں میں موجود ہوتا ہے اور اس پر قومی خزانے کا بڑا حصّہ صرف کیا جاتا ہے۔ دراصل اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان اسے اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے جہاد و قتال میں حصّہ لینے کے لئے جو فوجی تربیت اور جنگی مہارت حاصل کریں اس سے اُن کا مقصد صرف دین حق کا غلبہ اور اللہ کی رضا جوئی ہونا چاہیئے، مال دولت اور شہرت وغیرہ نہیں کیونکہ یہ ایک عبادت ہے اور عبادت کی صحت و قبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے یعنی وُہ خالصتہً اللہ کی رضا کی خاطر ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ دشمن پر فتح کی صورت میں جو مال غنیمت حاصل ہو تا ہے اس کا ایک حصّہ جہاد میں شریک مجاہدین کو ملتا ہے لیکن جہاد میں ان کی نیت مال غنیمت کا حصول ہرگز نہیں ہونی چاہیئے۔ گویا اسلام میں فوج کا جو تصور ہے وُہ تقریباً نیشنل آرمی ایسا ہے بشرطیکہ اس کا مقصد کسی قوم کا دوسری اقوام پر غلبہ و استیلاء نہ ہو بلکہ دین حق کا ادیانِ باطل پر غلبہ اور استیلاء ہو۔

اور پھر چونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا واضح حکم تھا کہ تم امانتیں اُن کو ادا کرو جو ان کے اہل ہیں۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (النساء: ۵۸) ۔ ترجمہ: یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں اہل امانت کو ادا کرو۔

چونکہ امانت کی قسموں میں سے ایک قسم حکومت کا کوئی عہدہ اور منصب بھی ہے جیسا کہ بعض احادیث نبویہ سے ظاہر ہوتا ہے مثلاً ایک حدیث کے الفاظ ہیں: اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قِيْلَ مَا اِضَاعَتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهَا فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ ۝ ترجمہ: ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امانت کو ضائع ہوتا دیکھو تو قیامت یا تباہی کی گھڑی کا انتظار کرو کسی نے عرض کیا حضور! امانت کے ضائع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا جب امارت اور حکومت کے مناصب نا اہلوں کو سونپے جائیں تو قیامت یا تباہی و بربادی کی گھڑی کا انتظار کرو۔ اس حدیث میں حکومت کے امور و مناصب کو امانت سے تعبیر فرمایا گیا اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حکومت و امارت کا ہر منصب صرف اس شخص کو دیا جائے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو یعنی اس منصب کی ذمہ داریوں کو جاننا اور ان کو پورا کرنے اور انجام دینے کی صلاحیت اور قدرت رکھتا ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکومت کے کسی منصب کیلئے درخواست کی تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکومت کا یہ منصب ایک امانت ہے اور آپ کمزور آدمی ہیں' اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا آپ کے بس میں نہیں۔ چنانچہ وہ منصب ان کو نہ دیا گیا۔ اس حدیث میں بھی یہ تعلیم ہے کہ حکومت کا ہر منصب اور عہدہ صرف ایسے شخص کو دیا جائے جو اس کا اہل ہو یعنی اس کے فرائض کو جاننا اور انجام دینے کی قدرت و صلاحیت رکھتا ہو۔ اس میں اس کے حسب و نسب اور دوسرے اوصاف کو مدار نہ بنایا جائے۔ بنابریں' مدینہ کی اس اسلامی ریاست میں اس کا پورا التزام تھا اور حکومت کے عہدوں اور مناصب پر ایسے اشخاص کو متعین و مقرر کیا جاتا تھا جو اس کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے۔

اسی طرح چونکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لئے یہ واضح تعلیم تھی کہ وہ اپنے اجتماعی امور کو باہمی صلاح و مشورہ سے طے کریں۔ اسی طرح سربراہ حکومت و ریاست کے لئے بھی واضح حکم تھا کہ وہ کوئی اجتماعی فیصلہ کرنے سے پہلے ایسے اشخاص سے مشورہ کرے جو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ پہلی تعلیم' قرآنی آیت اَمْرُهُمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (الشوریٰ - ۳۸) میں اور دوسری ہدایت' قرآنی آیت وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (آل عمران : ۱۵۹) میں مذکور ہے لہذا مدینہ کی اسلامی ریاست میں ایک مجلس شوریٰ قائم تھی جس کے ارکان ایسے افراد تھے جو ممتاز دینداری کے ساتھ اجتماعی امور و معاملات میں اعلیٰ سوجھ بوجھ' گہری بصیرت اور اصابت رائے رکھتے اور عام لوگوں میں قابلِ اعتماد تھے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہنگامی قسم کے اجتماعی امور و معاملات مثلاً جنگ و صلح وغیرہ کے متعلق آخری فیصلے سے پہلے اس مجلس مشاورت سے صلاح و مشورہ فرماتے تھے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ مجلس شوریٰ کے ان ارکان کو اُن کی اس خدمت کے عوض بیت المال سے کوئی صلہ نہیں ملتا تھا اور نہ ان کے لئے دوسری کوئی خاص مراعات تھیں جیسی کہ آج ارکانِ پارلیمنٹ کے لئے ہوتی ہیں۔ گویا اسلام میں مجلس شوریٰ کی رکنیت کا منصب ایک اعزازی منصب ہے۔

قرآن حکیم کی متعدد آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اموالِ فے' غنیمت' زکوٰۃ و صدقات کے جمع اور تقسیم کرنے کی ذمہ داری بھی سربراہ حکومت اور امیر ریاست کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے یعنی یہ کہ اس کی نگرانی میں مذکورہ اموال ایک جگہ جمع ہوں اور قرآن مجید کے بیان کردہ مصارف میں خرچ ہوں۔ چونکہ اس کے لئے اجتماعی بیت المال اور قومی خزانے کا وجود ضروری تھا لہذا عہدِ نبوت کی مدنی ریاست میں بیت المال کا ادارہ قائم ہوا اور حکومت کی نگرانی میں اس کے اندر جمع شدہ اموال کو سدھارنے اور بہتر بنانے میں بڑی مدد ملی جیسا کہ اس ادارے کے قیام سے مقصود تھا۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیغمبرانہ زندگی مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور پیروی کا بہترین نمونہ ہے۔ صرف مکی یا مدنی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینا درست اور صحیح نہیں جیسا کہ بعض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمان خیال کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلی مسلم جماعت جن مختلف نوع کے حالات سے گزری اُن ہی حالات سے بعد کی مسلم جماعتیں بھی گزر سکتی ہیں، اور یہ کہ پہلی مسلم جماعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات میں جو مختلف رویّے اور طرزِ عمل تجویز اور اختیار فرمائے وہی رویّے اور طرزِ عمل مختلف حالات میں بعد والی مسلم جماعتوں کے لئے بھی واجب الاتباع اور قابلِ پیروی ہیں۔ اسی طرح اصلاحِ معاشرہ کے کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حکمتِ عملی اور سیاستِ شرعی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا اور اس کے مطابق اصلاح کا مبارک کام انجام دیا، بعد کے مسلم زعماء و مصلحین کو بھی اصلاحِ معاشرہ کے کام میں اسی حکمتِ عملی اور سیاستِ شرعی کو پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیئے بلکہ اتباعِ سنتِ رسول کا تقاضا ہے کہ وہ اس کے مطابق کام کریں ورنہ وہ حقیقی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں گے۔

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

دعوۃ اکیڈمی کے اغراض ومقاصد

- دعوت وتبلیغ کے میدان میں تعلیمی، تربیتی، اور تحقیقی پروگراموں کی منصوبہ بندی کرنا اور انہیں فروغ دینا۔
- مساجد کے ائمہ اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے تربیتی پروگرام تیار کرنا۔
- دعوت وتبلیغ اور تربیت ائمہ کے پروگرام کا لائحہ عمل اور طریق کار وضع کرنا۔
- دعوتی میدان میں اسلامی لٹریچر کی تیاری اور اس کو پھیلانے کیلیے مناسب منصوبہ بندی۔
- دعوتی نقطہ نظر سے سمعی وبصری پروگرام تیار کرنا۔
- ملک کے اندر اور باہر دعوت اسلامی کے مقاصد رکھنے والے دیگر اداروں کے ساتھ تعاون اور رابطہ۔
- خط وکتابت کے ذریعہ عوام الناس تک دین کی دعوت پہنچانا۔
- دعوت وتبلیغ کا ایک بین الاقوامی معلوماتی مرکز قائم کرنا۔
- اکیڈمی کے مقاصد کی تکمیل کے لیے دعوتی کتب، رپورٹیں تعلیمی جائزوں اور دیگر ایسے مواد کی اشاعت کا اہتمام کرنا جو دعوتی کام میں مدد معاون ہو۔
- اکیڈمی کے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے علاقائی مراکز قائم کرنا۔

دعوۃ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد